© rasailojaraid.com

حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غیر مسلموں سے سماجی و معاشرتی تعلقات

(اسلامی تعلیمات کی روشنی میں)

سید جلال الدین عمری

گذشتہ صفحات میں غیر مسلموں سے کاروباری تعلقات کی بحث جاری تھی، اس سلسلہ میں ایک اصولی بات فقہ میں یہ بیان ہوئی ہے کہ اسلامی ریاست میں مسلمانوں کی طرح ذمی بھی کاروبار اور لین دین میں اسلامی قانون کے پابند ہوں گے۔ اس کی صاف وجہ یہ ہے کہ اسلامی قانون ملکی قانون ہوگا۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:-

واھل الذمۃ فی البیاعات کالمسلمین	(تجارت اور کاروبار میں ذمی بھی مسلمانوں کی طرح ہیں (ان کے درمیان فرق نہیں کیا جائے گا)

اس کی تائید میں یہ حدیث پیش کی گئی ہے:

انّ لھم ما علی المسلمین وعلیھم ما علی المسلمین[1]	ذمیوں کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں اور ان پر وہ پابندیاں بھی ہوں گی جو مسلمانوں پر ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی ریاست کے اندر وہ کوئی سودی کاروبار نہیں کرسکتے، اس لیے کہ اسلام کے نزدیک سود اور اس کی تمام شکلیں ناجائز ہیں۔ البتہ خنزیر اور شراب کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ذمی آپس میں ان کی تجارت کرسکتے ہیں۔ اس کی دلیل میں حضرت عمرؓ کا ایک قول پیش کیا جاتا ہے کہ جب انھیں معلوم ہوا کہ جزیہ میں ذمیوں سے شراب اور خنزیر بھی لیے جاتے ہیں اور پھر انھیں فروخت کردیا جاتا ہے تو آپ نے اس سے منع کیا اور فرمایا کہ اگر ذمی اسے (دوسرے ذمیوں

---

[1] ہدایہ: ۳/۱۰۳ امام زیلعی فرماتے ہیں ایسی کوئی حدیث میرے علم میں نہیں ہے۔ نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ: ۴/۵۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو) فروخت کریں اور اس کی قیمت سے جزیہ ادا کریں تو یہ قبول کیا جا سکتا ہے[۱]۔ اس لیے کہ مسلمانوں کا خنزیر اور شراب فروخت کرنا چاہے وہ ذمیوں ہی کو فروخت کریں ناجائز ہے، البتہ ذمی اپنے درمیان اس کا معاملہ کر سکتے ہیں۔

غیر مسلم کے ساتھ کاروبار میں شرکت کو امام شافعی نے ناجائز قرار دیا ہے۔ لیکن فقہ حنبلی میں اس کا جواز ملتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے شرکت سے منع کرتے ہوئے دلیل یہ دی ہے کہ وہ سودی کاروبار کرتے ہیں جو اسلام کے نزدیک حرام ہے۔ جن لوگوں نے اسے جائز قرار دیا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر کاروبار میں مسلمان کی موثر شرکت ہو تو اسے وہ سود وغیرہ سے پاک رکھ سکتا ہے۔ فی نفسہ ان کا مال ناپاک نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ رسول اللہؐ نے ان کے ساتھ معاملہ کیا ہے[۲]۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کاروبار اگر ناجائز چیز کا نہ ہو تو شرکت ہو سکتی ہے۔

ریاستی امور میں غیر مسلموں کا تعاون

یہ ایک فطری بات ہے کہ جو لوگ اسلام کو خدا کا نازل کردہ دین مانتے ہیں اور جنھیں اس کی صداقت پر ایمان و یقین ہے وہی اس دین کی بنیاد پر قائم ہونے والی ریاست کا نظم و نسق خلوص کے ساتھ چلا سکتے ہیں۔ اس کے برعکس جن لوگوں کو اسلام کی صداقت ہی میں شبہ ہو اور جو اسے خدا کا دین نہ مانتے ہوں ان پر اسلامی ریاست کے چلانے کی ذمہ داری نہیں ڈالی جا سکتی۔ وہ اس کے کلیدی مناصب کے لیے موزوں نہیں ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان سے ہٹ کر دیگر ریاستی امور میں ان سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں ایک رائے یہ ملتی ہے کہ ریاست کو ان سے کسی بھی طرح کا تعاون حاصل کرنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ اس پر قرآن مجید کی جن آیات سے استدلال کیا جاتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا	اے ایمان والو اپنے لوگوں کے سوا
بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ	دوسروں کو رازدار نہ بناؤ وہ تمہارے
خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ	بگاڑ میں کوتاہی نہیں کرتے ہیں۔ وہ اس

---

[۱] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ ہدایہ مع فتح القدیر: ۵/۳۶۰۔ حضرت عمرؓ کے قول کے حوالہ کے لیے دیکھی جائے۔ نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ: ۴/۵۵

[۲] ملاحظہ ہو۔ ابن قدامہ۔ المغنی: ۵/۳، ۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (آل عمران : ۱۱۸)	چیز سے خوش ہوتے ہیں جس سے تمہیں تکلیف پہونچے ان کے موتھ سے بغض وعداوت ظاہر ہے اور جو کچھ ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ اس سے بھی زیادہ ہے، ہم نے تمہیں اپنی آیات کھول کر بیان کر دی ہیں۔ اگر تم عقل سے کام لو۔

اس آیت کے ذیل میں قاضی ابو یعلیٰ کہتے ہیں۔

وفی هٰذه الآية دلالة على انه لايجوز الاستعانة باهل الذمة فی امور المسلمين من العمالات والكتبة[۲]	اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ ذمیوں میں سے جو کارگر اور محرر (وغیرہ) ہیں ان سے مسلمانوں کے معاملات میں مدد لینا جائز نہیں ہے۔

روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کو یہ اطلاع ملی کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے ایک ذمی کو اپنا کاتب (منشی) مقرر کیا ہے تو انھیں سخت خط لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ہمارے ماتحت رکھا ہے تم انھیں فرمانروائی کا مقام دے رہے ہو۔[۳]

فقہ حنفی میں کہا گیا ہے کہ "عاشر" یعنی وہ شخص جو عشر، خراج اور تجارتی ٹیکس وصول کرے، اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ غیر مسلم کو اُس منصب پر (یا اس جیسے دوسرے منصب پر) فائز کرنا حرام ہے۔ اس کی دلیل میں قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی گئی ہے۔ ولن يجعل الله الكافرين على المومنين سبيلا ـ (النساء: ۱۴۱) (اور اللہ نے کافروں کے مسلمانوں پر غالب آنے کی کوئی سبیل نہیں رکھی ہے)

اس کی تائید میں حضرت عمرؓ کا اسی طرح کا قول پیش کیا گیا ہے جو ابھی گزر چکا ہے۔ امام محمدؒ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو لکھا کہ مشرکین میں سے کسی کو کاتب (منشی) نہ مقرر کرو کہ وہ مسلمانوں کے معاملات قلم بند کرے۔ اس لیے

---

[۱] یہ اور اس مفہوم کی دوسری آیات کے سیاق وسباق اور پس منظر سے ہم اس سے پہلے بحث کر چکے ہیں ملاحظہ ہو۔ تحقیقات اسلامی، جولائی ستمبر ۱۹۹۳ء، حرف آغاز [۲] ابن جوزی: زاد المسیر: ۱/۴۴۷

[۳] حوالہ سابق۔ اس تنبیہ کا خاص پس منظر معلوم ہوتا ہے اس کا حوالہ ہم آگے دیں گے۔ اس نقطۂ نظر کی مزید تفصیل کے لیے دیکھی جائے۔ قرطبی الجامع لاحکام القرآن: ۴/۱۷۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ وہ اپنے دینی کاموں میں رشوت لیتے ہیں اور ہمارے دین میں رشوت جائز نہیں ہے، امام محمد فرماتے ہیں کہ اس پر ہمارا عمل ہے۔ سربراہ مملکت کے لیے غیر مسلم کو کاتب مقرر کرنا ناجائز ہے[1]

حضرت عمرؓ نے غیر مسلموں کو کاتب کا عہدہ نہ دینے کی ایک وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ رشوت خور ہیں، مسلمان اس دور میں اس کمزوری سے پاک تھے اس لیے وہی اس کے مستحق سمجھے گئے۔ ورنہ ظاہر ہے کسی رشوت خور کو سرکاری عہدہ پر مامور نہیں کیا جا سکتا چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے یہ عمومی استدلال شاید صحیح نہ ہو کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلم کو کوئی اہم منصب نہیں دیا جا سکتا۔ وہ اگر دیانت و امانت سے متصف اور قابل اعتماد ہے تو اسے ذمہ داری سونپی جا سکتی ہے۔

جنگ میں غیر مسلموں کی شرکت

فقہاء کے درمیان ایک مسئلہ یہ زیر بحث رہا ہے کہ غیر مسلموں سے جنگی خدمات لی جا سکتی ہیں یا نہیں۔ ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ مشرکین سے مدد لینا مطلقاً صحیح نہیں ہے۔ ان ہی میں امام احمد بھی ہیں۔ ان کے نزدیک جن احادیث سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے ان کے مقابلہ میں وہ احادیث زیادہ قوی اور مستند ہیں جن سے عدم جواز ثابت ہوتا ہے[2]

مسلم وغیرہ کی روایت ہے۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی طرف روانہ ہوئے اور حرّۃ الوبرہ نامی مقام پر پہونچے (جو مدینہ سے تقریباً چار میل کے فاصلہ پر ہے) تو آپ سے ایک شخص نے ملاقات کی جس کی جراءت وہمت اور مضبوطی و توانائی کا شہرہ تھا، مسلمان اس کی آمد پر خوش ہوئے۔ اس نے عرض کیا کہ میں اس جنگ میں آپ کے ساتھ شریک ہونا اور جو مال ملے اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو؟ اس نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا انا لا نستعین بمشرک (ہم کسی مشرک سے مدد حاصل نہیں کرتے) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ دوبارہ الشجرہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی درخواست پیش کی۔ آپ نے اس سے وہی سوال کیا جو پہلے کیا تھا کہ تم خدا اور رسول پر ایمان رکھتے ہو؟ اس نے اب کی بار بھی

---

[1] ابن عابدین، ردالمحتار علی الدرالمختار: ۱: ۵۰-۵۱

[2] زیلعی، نصب الرایہ ۳: ۴۲۳، [illegible] القرآن ۱۰۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نفی میں جواب دیا۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا کہ ہم کسی مشرک سے مدد نہیں لیتے اس کے بعد وہ مقام بیدا میں آپ کی خدمت میں پہونچا اور اپنی درخواست پیش کی۔ آپ نے اس بار بھی اس سے یہی سوال کیا کہ کیا تم خدا اور رسول پر ایمان رکھتے ہو۔ اس نے کہا۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا اب تم ہمارے ساتھ چلو۔[1]

اسی قسم کا ایک واقعہ مستدرک حاکم، مسند احمد، ابن ابی شیبہ و اسحق بن راہویہ وغیرہ میں موجود ہے کہ حبیب بن اساف اور ان کے ایک ساتھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچے اور عرض کیا کہ ہماری قوم کسی جنگ میں شریک ہو اور ہم شریک نہ ہوں یہ ہمارے لیے باعث عار ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی شرکت کی اجازت دیجئے۔ آپ نے ان سے یہی سوال کیا کہ کیا تم اسلام لا چکے ہو؟ انھوں نے نفی میں جواب دیا۔ آپ نے فرمایا ہم مشرکین سے مدد نہیں لیتے۔ فرماتے ہیں، پھر ہم اسلام لے آئے اور جنگ میں شریک ہوئے۔[2]

ایک طرف تو یہ روایات ہیں دوسری طرف بعض اور روایات ہیں جو اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ نازک سے نازک معاملات میں بھی وقت ضرورت غیر مسلم کی خدمات اور صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

ہجرت کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ نے مکہ سے ہجرت کی تو راستہ کی راہنمائی کے لیے بنوالدیل کے ایک شخص کی خدمات اجرت پر حاصل کیں جو کافر تھا۔[3] اس نے جاہلیت کے طریقہ کے مطابق پختہ قسم کھائی کہ وہ اس سفر کو راز میں رکھے گا اور سفر میں راہنمائی کرے گا۔[4]

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ نے اعتماد کیا اور اپنی اونٹنیاں اس کے حوالہ کر دیں۔ تین دن کے بعد مکہ میں جب آپ کی تلاش کا ہنگامہ فرو ہوا تو وہ حسب وعدہ اونٹنیاں لے کر غار ثور کے پاس پہونچا اور آپ دونوں کو لے کر سمندر کے کنارے

---

[1] مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب کراہۃ الاستعانۃ فی الغزو بکافر۔

[2] زیلعی، نصب الرایہ: ۳/ ۴۲۳

[3] اس کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ راجح قول یہ ہے کہ اریقط نام تھا۔ فتح الباری ۷/

[4] دور جاہلیت میں ہاتھ کو خون یا زعفرانی رنگ یا اسی طرح کی کسی چیز میں ملوث کر کے قسم لی جاتی تھی فتح الباری: ۷/ ۲۳۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے راستہ سے مدینہ پہونچا[1]

اس حدیث کے ذیل میں علامہ بدرالدین عینی کہتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مشرکین سے اگر وفاداری اور اعلیٰ اخلاقی جذبات کا مظاہرہ ہو تو ان پر رازداری کے معاملات اور مال کے سلسلہ میں اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ اس مشرک پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتماد فرمایا تھا۔ اس لیے کہ مشرکین گو کہ آپ کے دشمن تھے لیکن دین ابراہیمی کی جو صالح روایات ان میں باقی رہ گئی تھیں ان کے وہ پابند تھے۔ (ان ہی میں ایک عہد و پیمان کا احترام بھی تھا) چونکہ اس شخص میں آپ نے اخلاق و مروت دیکھی تو سفر ہجرت کے خفیہ پروگرام کے سلسلہ میں اس پر اعتماد کیا اور اپنی اونٹنیاں اس کے حوالہ کر کے کہ تین دن بعد وہ انھیں لے کر غار ثور پر پہونچ جائے، مال کے بارے میں بھی اعتماد فرمایا[2]

مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سخت ترین حالات میں گھر گئے، مخالفین نے آپ کے قیام کو ناممکن بنا دیا اور آپ کی شہادت کی تدبیریں کی جانے لگیں تو آپ نے ہجرت کا فیصلہ فرمایا۔ یہ ایک بالکل رازدارانہ فیصلہ تھا۔ اس پر عمل درآمد کی راہ میں آپ نے ایک ایسے فرد کی خدمات حاصل کیں اور اسے اس کا معاوضہ بھی دیا جو عقیدہ کے لحاظ سے دشمن قوم کا فرد تھا۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ سخت مخالف ماحول میں بھی ضرورت پڑنے پر قابل اعتماد غیر مسلم افراد کا تعاون حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہ تعاون ممنوع نہ ہوگا۔

اس واقعہ کا تعلق جنگ سے نہیں ہے لیکن اس سے جنگی تعاون کے سلسلہ میں استدلال کرنا غلط نہ ہوگا۔ دونوں میں رازداری اور اعتماد کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے علاوہ اس بات کا ثبوت موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد بعض اوقات جنگی مہمات میں غیر مسلموں سے تعاون حاصل کیا ہے۔ اس وجہ سے امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور بعض دوسرے ائمہ حالات کے لحاظ سے اسے جائز سمجھتے ہیں۔

جن ائمہ نے اسے جائز قرار دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اسلامی ریاست کا سربراہ یا حاکم

---

[1] بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ہجرۃ النبیؐ واصحابہ الی المدینۃ۔ مع فتح الباری: ۲۳۲/۷-۲۳۸

[2] بدرالدین عینی، عمدۃ القاری: ۱۰/۳، ۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دو شرائط کے ساتھ غیر مسلموں کو جنگ میں شرکت کی اجازت دے سکتا ہے۔ ایک یہ کہ مسلمانوں کی تعداد کم ہو اور ان سے مدد لینے کی ضرورت ہو۔ دوسرے یہ کہ جن سے مدد لی جائے وہ قابل اعتماد ہوں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ امام مالک کی یہ روایت کہ آپ نے ایک یا دو مشرکوں کی اس پیش کش کو رد فرما دیا کہ وہ جنگ میں شریک ہونا چاہتے ہیں، اس کا تعلق جنگ بدر سے ہے۔ لیکن بدر کے دو سال بعد آپ نے جنگ خیبر کے موقع پر بنو قینقاع کے یہود سے مدد لی اور جنگ حنین میں صفوان بن امیہ سے مدد حاصل کی جو اس وقت مشرک تھے۔[۱] بدر کے سلسلہ میں جو واقعہ پیش آیا اس کے بارے میں دو باتیں کہی جا سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ آپ کو کسی مشرک کو جنگ میں ساتھ لینے اور شریک کرنے یا نہ کرنے کا اختیار تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے ساتھ لیا دوسری مرتبہ نہیں لیا۔ یہ اختیار تو آپ کو مسلمانوں کے سلسلہ میں بھی حاصل تھا۔ کسی مسلمان کو جنگ میں ساتھ نہ لے جانا چاہتے تو ایسا کر سکتے تھے۔ اس لحاظ سے یہ حدیثیں ایک دوسرے کی مخالف نہیں ہیں۔ دوسری بات یہ کہی جا سکتی ہے کہ آپ انھیں مشرک ہونے کی وجہ سے ساتھ نہیں لے گئے اگر یہ ہے تو بعد کے واقعات کو ناسخ سمجھا جائے گا، جن میں آپ نے ان سے مدد لی تھی۔ غزوۂ بدر میں جس مشرک کو آپ نے لوٹایا ہو سکتا ہے آپ کے اس رویہ سے اس کے اسلام لانے کی توقع رہی ہو بہر حال امام کو یہ حق ہے کہ مصلحت کے پیش نظر وہ کسی کو جنگ میں شرکت سے روک دے۔[۲]

---

[۱] غزوۂ حنین کا واقعہ ہے کہ قبیلۂ ہوازن کے بارے میں آپ کو اطلاع ملی کہ وہ اور اس کے حلیف آپ کے خلاف جنگ کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ آپ نے بھی مقابلہ کی تیاری شروع کر دی۔ اسی اثنا میں آپ کے علم میں یہ بات آئی کہ صفوان بن امیہ، جو اس وقت تک مشرک تھے، کے پاس کافی ہتھیار ہیں۔ آپ نے ان کے پاس اپنا سفیر بھیجا اور فرمایا، اے ابو امیہ! آپ اپنے ہتھیار ہمیں عاریتاً دیں تاکہ کل دشمن سے ہونے والی جنگ میں ہم فائدہ اٹھا سکیں۔ اس نے کہا کہ یہ ہتھیار غصب تو نہیں کر لیے جائیں گے۔ آپ نے اطمینان دلایا کہ یہ عاریتاً لیے جا رہے ہیں اور اس کی کمی کی تلافی ہوگی۔ اس نے کہا تب تو کوئی حرج نہیں ہے چنانچہ اس نے آپ کو سو زرہیں اور اس کے مناسب ہتھیار دئے۔ روایت ہے کہ آپ کی درخواست پر اس نے ان کے پہونچانے کا بھی نظم کیا۔ سیرۃ ابن ہشام: ۴/ ۶۸۔

[۲] زیلعی، نصب الرایہ لاحادیث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلم کی روایت إِنَّا لَا نَسْتَعِينُ بِمُشْرِكٍ (ہم کسی مشرک سے مدد نہیں لیں گے) کے ذیل میں امام نووی فرماتے ہیں کہ ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے صفوان بن امیہ سے ان کے اسلام لانے سے قبل مدد حاصل کی تھی۔ علماء کے ایک طبقہ نے پہلی حدیث کو اس کے اطلاق کے ساتھ اختیار کیا ہے۔ ان کے نزدیک کسی مشرک سے مدد لینا مطلقاً صحیح نہیں ہے، لیکن امام شافعی اور دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ اگر کافر مسلمانوں کے بارے میں اچھی رائے رکھتا ہے اور ضرورت کا تقاضا ہے کہ اس سے مدد لی جائے تو مدد لی جائے گی۔ بلا ضرورت یہ ناپسندیدہ ہے۔ اس طرح دونوں حدیثیں دو مختلف صورت حال پر محمول ہوں گی ؎۱

امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں:۔

احناف کا مسلک یہ ہے کہ مشرکین سے جنگ میں (ان کے مخالف) مشرکین سے مدد لی جا سکتی ہے۔ البتہ یہ بات پیش نظر رہے گی کہ جنگ کے بعد اسلام کے احکام کا غلبہ ہو، لیکن اگر مشرکین کے غلبہ کا اندیشہ ہو تو ان سے مدد نہیں لی جائے گی۔ ایسی صورت میں مسلمان ان کے ساتھ مل کر جنگ نہیں کریں گے۔ سیرت و مغازی کی مشہور روایات ہیں کہ جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کبھی یہود رہے ہیں اور کبھی مشرکین کا ساتھ رہا ہے۔ رہا تی رہا اس روایت کا معاملہ جس میں آپ نے فرمایا کہ ہم کسی مشرک سے مدد نہیں لیتے تو ہو سکتا ہے کہ یہ بات خاص اس شخص سے متعلق ہو۔ ممکن ہے آپ نے اسے جاسوس خیال فرمایا ہو۔ آپ کے انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اس جیسے آدمی سے مدد نہیں لیتے ؎۲

مال غنیمت میں غیر مسلموں کا حصہ

جن فقہاء کے نزدیک اسلامی ریاست غیر مسلموں سے وقت ضرورت فوجی خدمات لے سکتی ہے ان کے درمیان یہ بحث رہی ہے کہ مال غنیمت میں مسلمانوں کی طرح ان کا بھی کوئی متعین حصہ ہوگا یا نہیں؟ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم کے نزدیک اگر ذمی مسلمانوں

= الہدایہ: ۳/۲۴۴۔ نیز ملاحظہ ہو۔ ابن الہمام، فتح القدیر: ۴/۳۲۷-۳۲۸

؎۱ نووی، شرح مسلم ج ۴ جز ۱۲ ص ۱۹۹

؎۲ جصاص، احکام القرآن: ۲/۵۴۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ساتھ مل کر دشمن کا مقابلہ کرے تو بھی مال غنیمت میں اس کا کوئی (متعین) حصہ نہ ہوگا لیکن بعض دوسرے اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں وہ بھی مالِ غنیمت میں حصہ دار ہوں گے۔ امام زہری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جن یہودیوں نے جنگ میں شرکت کی آپ نے انھیں بھی حصہ دیا تھا[1]

امام زہری کا یہ بیان ابو داؤد کی مراسیل میں بھی ہے۔ اس کے ایک راوی نے مثل سہمانِ المسلمین (مسلمانوں کے حصہ کی طرح) کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے فیسہم لہم کسہام المسلمین۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں شریک ہونے والے یہود کو مسلمانوں کی طرح حصہ دیا کرتے تھے[2]

بیہقی کی روایت ہے حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قینقاع کے یہود سے مدد لی تھی۔ ان کو عطیہ دیا تھا۔ حصہ نہیں دیا تھا[3]

واقدی کا بیان ہے کہ غزوۂ خیبر میں آپ کے ساتھ مدینہ کے دس یہودی تھے آپ نے مسلمانوں کے حصہ کی طرح ان کو بھی حصہ دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کو کچھ بطور عطیہ دیا تھا باقاعدہ حصہ نہیں دیا تھا[4]

امام نووی فرماتے ہیں۔

اگر کوئی غیر مسلم امام کی اجازت سے جنگ میں شرکت کرے تو اسے بطور عطیہ کچھ دیا جائے گا، باقاعدہ اس کا حصہ نہ ہوگا۔ یہی امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور جمہور کا مسلک ہے۔ امام زہری اور اوزاعی کہتے ہیں کہ ان کا بھی باقاعدہ حصہ لگایا جائے گا[5]

فقہ حنفی میں کہا گیا ہے کہ اگر ذمی جنگ میں شریک ہو تو اس کا حصہ (مال غنیمت میں) مسلمانوں کے حصہ کے برابر نہیں ہوگا۔ اسے بطور عطیہ جو دیا جائے گا وہ کسی مسلمان

---

[1] ترمذی، ابواب السیر، باب ما جاء فی اہل الذمۃ یغزون مع المسلمین ہل یسہم لہم

[2] یہ روایتیں امام زہری سے مرسل ہیں اہل علم نے امام زہری کے مراسل کو ضعیف قرار دیا ہے۔ زیلعی۔ نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ: ۳/۴۲۲-۴۲۳۔

[3] اس روایت میں بھی ضعف ہے۔ حوالۂ سابق [4] حوالہ سابق۔

[5] نووی، شرح مسلم جلد ۴ جزء ۱۲ ص ۱۹۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے حصہ کے برابر نہیں ہوگا۔ اسے بطور عطیہ جو دیا جائے گا وہ بہر حال کسی مسلمان کو ملنے والے حصہ سے کم ہوگا۔ ایک صورت یہ ہے کہ اگر وہ جنگ میں براہِ راست شریک نہیں ہے لیکن اس نے اس سلسلہ کی کوئی اور خدمت انجام دی ہے تو اسے اس کی اجرت دی جائے گی۔ یہ خدمت اگر اس نوعیت کی ہے کہ اس سے مسلمانوں کو زیادہ نفع پہونچ رہا ہے، مثلاً اس نے کسی خاص پہلو سے راہنمائی کی ہے تو اسے جو اجرت دی جائے گی وہ مالِ غنیمت میں ملنے والے حصے سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے[۱۵]

ان تفصیلات میں سب سے پہلے سفرِ ہجرت کا واقعہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ اس سفر میں ایک غیر مسلم سے مدد حاصل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ سخت اسلام دشمنی کے ماحول میں بھی ایسے غیر مسلم افراد ہو سکتے ہیں جن پر پیشِ نظر اسلامی منصوبوں میں اعتماد کیا جا سکے۔ ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے اور ان سے مدد لینے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ یہ اسلامی حکمتِ عملی کا ایک ضروری جزء ہے۔ اسی طرح احادیث اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں اور بیشتر مذاہب فقہ کی اسے تائید حاصل ہے کہ اسلامی ریاست غیر مسلموں سے جنگی خدمات حاصل کر سکتی ہے۔ جمہور اس بات کے قائل ہیں کہ مالِ غنیمت میں جس طرح مسلمان سپاہیوں کا حصہ متعین ہے اس طرح غیر مسلم فوجیوں کا حصہ متعین نہیں ہے۔ لیکن بعض ائمہ کے نزدیک غیر مسلم فوجی کا بھی وہی حصہ ہوگا جو ایک مسلم سپاہی کا ہوتا ہے۔ یہ بحث زیادہ اہم اس لیے نہیں ہے کہ موجودہ دور میں جنگی ٹیکنک اتنی پیچیدہ ہو گئی ہے کہ اس میں مالِ غنیمت کا سوال مشکل سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کی گنجائش بہر حال فقہ میں پائی جاتی ہے کہ غیر مسلموں کی خدمات بالمعاوضہ حاصل کی جا سکتی ہیں۔

اجرت پر غیر مسلم کی خدمت

ایک مسلمان جب غیر مسلم کی خدمات سے فائدہ اٹھا سکتا ہے تو کیا غیر مسلم کو بھی یہ حق ہے کہ وہ مسلمان کی صلاحیت سے فائدہ اٹھائے؟ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم کی خدمت کرنا اور اس پر اجرت حاصل کرنا صحیح ہے اور یہ ایک جائز اجرت ہے۔

سلے بخاری، کتاب الاجارہ، باب ہل یواجر الرجل نفسہ من مشرک فی ارض الحرب۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت خباب بیان کرتے ہیں کہ میں ایک لوہار تھا۔ میں نے مکہ میں عاص بن وائل کا کام کیا۔ میری اجرت اس کے پاس جمع ہو گئی۔ میں نے اس کا تقاضا کیا تو اس نے کہا قسم خدا کی میں اس وقت تک ادا نہیں کروں گا جب تک کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت) کا انکار نہ کرو۔ میں نے کہا قسم خدا کی تمہارے مرکر دوبارہ زندہ ہونے تک بھی یہ نہیں ہوگا۔ اس نے سوال کیا کہ کیا مرنے کے بعد میں دوبارہ زندہ ہو کر اٹھوں گا؟ میں نے جواب دیا، ہاں یہ ہوگا۔ اس نے کہا اگر ایسا ہوا تو اس وقت میرے پاس مال اور اولاد سب ہی کچھ ہوگا تمہارا قرض بھی ادا کر دوں گا۔[1]

اس حدیث کے ذیل میں محدث مہلب کے حوالہ سے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

کرہ اھل العلم ذالک الا لضرورۃ لبشرطین، احدھما ان یکون عملہ فی مایحل للمسلم فعلہ والآخر ان لایعینہ علی مایعود ضررہ علی المسلمین[2]	اہل علم نے اجرت پر غیر مسلم کا کام کرنے کو ناپسند کیا ہے۔ ہاں مجبوری ہو تو دو شرطوں کے ساتھ یہ جائز ہوگا۔ ایک یہ کہ غیر مسلم جو کام لے اس کا کرنا مسلمان کے لیے حلال ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ کسی ایسے کام میں اس کی معاونت نہ کرے جس کا نقصان بالآخر مسلمانوں کو پہونچے۔

اس کے ناپسندیدہ ہونے کا جہاں تک تعلق ہے ایک خود دار قوم شاید دوسروں کی غلامی اور نوکری کو پسند نہیں کرے گی۔ جن شرائط کے ساتھ اس کی اجازت دی گئی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ غیر مسلم کا جو بھی کام کیا جائے اسے اسلامی نقطۂ نظر سے ناجائز نہیں ہونا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں کا مفاد پیش نظر رہنا چاہیے۔ اس کے خلاف کوئی عمل نہیں ہونا چاہیے۔ یہ دونوں شرائط اس لیے رکھی گئی ہیں کہ غیر مسلم ان کی رعایت نہیں کرے گا۔ وہ ان کے خلاف بھی کوئی خدمت لینے کی کوشش کر سکتا ہے۔ اس پہلو

---

[1] بخاری کتاب الاجارہ، باب ہل یواجر الرجل نفسہ من مشرک فی ارض الحرب۔

[2] فتح الباری: ۴/۳۵۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ان کی معقولیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ایک سوال یہ ہے کہ کیا کسی غیر مسلم کی ملازمت یا نوکری مسلمان کے لیے عار اور ذلت کا باعث ہے تو اس کا جواب فقہ کی روشنی میں علامہ ابن المنیرؒ نے یہ دیا ہے کہ مذاہب فقہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلمان کاریگروں کا اپنی دکانوں میں بیٹھ کر ذمیوں کے لیے کام کرنا جائز ہے اس میں ذلت کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ اس کے خلاف ایک مسلمان کا کسی ذمی کے گھر اس کی خدمت کرنا اور اس کی ماتحتی اختیار کرنا یہ صحیح نہیں ہے۔ اس میں ذلت ہے[1]

اس میں ذمی کی بالواسطہ خدمت اور بلاواسطہ خدمت میں فرق کیا گیا ہے۔ پہلی صورت کو جائز اور دوسری کو ناجائز کہا گیا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی مسلمان درزی، لوہار، بڑھئی، نان بائی یا کسی بھی قسم کا کاریگر ہے تو اس کا اپنی دکان کے ذریعہ ذمیوں کی ضرورت پوری کرنا اور اس پر اجرت لینا صحیح ہے، البتہ ذمی کا شخصی ملازم اور خدمت گار بننا یہ اس کے وقار کے منافی ہے۔

موجودہ دور میں معاشرہ کی اس طرح کی عمومی ضروریات بڑے بڑے اداروں، کارخانوں اور فیکٹریوں کے ذریعہ پوری کی جاتی ہیں۔ یہ ادارے بالکل نجی اور شخصی بھی ہوتے ہیں لیکن بالعموم انھیں کئی کئی افراد کے گروپ چلاتے ہیں اور بعض ادارے قومی ملکیت میں بھی ہوتے ہیں۔ ان میں فنی ماہرین ہوں یا عام محنت مزدوری کرنے والے سب ہی افراد ادارہ کے ملازم یا کارکن ہوتے ہیں۔ ادارہ اور کارکن دونوں کے حقوق بھی بڑی حد تک متعین ہوتے ہیں۔ اس میں شخصی خدمت میں ذلت کا جو تصور ہے وہ نہیں ہوتا۔ اس لیے ان اداروں کو چاہے مسلمان چلا رہے ہوں یا غیر مسلم ان میں کسی مسلمان کا ملازمت اختیار کرنا غلط یا ناپسندیدہ نہ ہوگا بشرطیکہ ادارے حرام چیز نہ پیدا کر رہے ہوں۔

---

[1] فتح الباری: ۴/۴۵۲

اسلامی معاشرت پر مولانا سید جلال الدین عمری کی کتاب
مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں
صفحات ۵۶ قیمت ۱۲ روپئے۔ انگریزی ترجمہ 15/- Muslim Woman - Role and Responsblities
ملنے کا پتہ: مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲

© rasailojaraid.com